Al-Abṣār (Research Journal of Fiqh & Islamic Studies)
ISSN: 2958-9150 (Print) 2958-9169 (Online)
Published by: Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
Volume 01, Issue 01, January-June 2022, PP: 33-52
DOI:https://doi.org/10.52461/al-abr.v1i01.1339
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/al-absar/about

معاشرتی اصلاح کا اسلوب اور دائرہ کار نصوصِ شریعہ کے تناظر میں

The Methodology and Jurisdiction of the Social Reforms Perspective of the Shari'ah

Shazia Chohan
Teacher's trainer Ghazali Publications, Lahore

Abstract

The main purpose of all constitutions, laws & Religions in the world is to end the corruption & reform the society. In the holy Qur'an, the purpose of the mission of the messenger of Allah ﷺ is stated to be the external & internal training & reform of human being. After the messenger of Allah, responsibility of reforming the society fall on the righteous people of the Muslim Ummah. Today, society has once again turned towards the same values, sexual immorality & perversion as it was in the time of J'ahiliyyah (Ancient times). Therefor the correction of the current social distortions is also possible with the same methods which were adopted by the messenger of Allah.
The effectiveness of preaching & advice increases many times when the personality & character of preacher is pure & clean. Purification of self & self-improvement, foundation of reforming society is to invite others to do good & to forbid evil (امر بالمعروف و نہی عن المنکر). For self-purification & reformation of society, the first school was established in Dar e Arqam & the second in Masjid Nabwi. Following this tradition, mosques & madaras'as have always been of primary importance in every Islamic community. Reforming society in the modern age requires measures such as abolishing the mixed system of education, training students & strengthening the family system. In this connection, the government, individuals & the mass media have to work together.

Keywords

Reform the society, Messenger of Allah, Purification of self, Masjid e Nabwi.

All Rights Reserved © 2022 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

1. موضوع کا تعارف

انسانی معاشرہ ایک پختہ عمارت کی مانند ہے جس کی اینٹیں وہ افراد ہیں جن کے معاشرتی تعلقات سے اس کے زندہ عناصر تشکیل پاتے ہیں۔ یہ عناصر جتنی قوت، زندگی اور شادابی فکر کے حامل ہوں گے اسی کے بقدر معاشرے کو میدانِ زندگی میں مقام و مرتبہ حاصل ہو گا۔ اخلاقی تربیت کا اظہار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی سے ہوتا ہے۔ معاشرتی و اجتماعی زندگی کے بنانے اور سنوارنے میں اخلاق کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے لیکن اسلام نے اخلاقیات پر جتنا زور دیا ہے دوسرے کسی مذہب میں نہیں دیا گیا۔ تمام ابنیائے کرام نے ہمیشہ اچھے اخلاق کی تعلیم دی اور بُرے اخلاق سے اپنی امت کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ عقائد و عبادات کے بعد تعلیمات اسلامی میں اخلاقیات کا درجہ آتا ہے۔ اخلاق کسی بھی معاشرے کی بقاء کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ معاشرہ کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اچھے اور عمدہ اوصاف و کردار ہیں جس کی قوت اور درستگی پر قوموں کے وجود، استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے جبکہ معاشرہ کے اخلاقی بگاڑ سے قوم براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ جس معاشرہ میں اخلاق ناپید ہوں وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا، اس میں کبھی اجتماعی رواداری، مساوات، اخوت و باہمی بھائی چارہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ جس معاشرے میں جھوٹ اور بد دیانتی عام ہو جائے وہاں کبھی امن و سکون نہیں ہو سکتا۔ جس ماحول یا معاشرہ میں اخلاقیات کوئی قیمت نہ رکھتی ہوں اور جہاں شرم و حیاء کی بجائے اخلاق باختگی اور حیا سوزی کو منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو اُس قوم اور معاشرہ کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہوتا ہے۔

اسلام تعلیم و تربیت کا دین ہے اور اس مقصد کے لیے اسلام نے تمام وسائل و ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ اسلامی تربیت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انسان کی ضرورتوں خواہ وہ مادی ہوں یا معنوی، جسمانی ہوں یا روحانی سب کا خیال رکھا گیا ہے۔ انہی تعلیمات کے سہارے مسلمانوں نے صدر اسلام میں ایسی عظیم تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی تھی کہ جس نے تھوڑی سی مدت میں ساری دنیا کو مسخر کر لیا اور ان کی وجہ سے تہذیب و ثقافت سے بے بہرہ قوم عرب میں ایسے اخلاقی نمونے پیدا ہوئے جن کی نظیر انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

2. اخلاق و تربیت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

اخلاق کا مادہ "خ ل ق" ہے۔ یہ لفظ عربی زبان کا اسم مذکر ہے اور خلق کی جمع ہے۔ اس کا لغوی مطلب طبعی خصلت، طبیعت، مروت اور عادت ہے۔ فرہنگِ آصفیہ میں اخلاق کا مفہوم درج ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ "اخلاق سے مراد عادتیں، خصلتیں، خوش خوئی، ملنساری، کشادہ پیشانی سے ملنا، آؤ بھگت اور وہ علم ہے جس میں معاد و معاش، تہذیبِ نفس، سیاست اور مدن وغیرہ کی بحث شامل ہو"۔[1]

اخلاق سے مراد ایسے اصول ہیں جو ہمیں خیر و شر کو پہچاننے میں مدد دیتے ہیں اور اخلاقی رویوں اور عادات و خصائل کا مجموعہ ہی دراصل فلسفۂ اخلاق کے دائرۂ بحث میں آتا ہے۔ فلسفۂ اخلاق انسانی اعمال اور رویوں کا تجزیہ کرتا ہے۔ اخلاقی احکامات انفرادی اور اجتماعی رویوں کو ایک طرف تو معاشرتی اداروں کے تابع رکھتے ہیں اور دوسری طرف مذہبی اور وجدانی تصورات کی روشنی میں انسانی کردار و عمل کو ایسی سمت عطا کرتے ہیں جو ابدی مسرت کی منزل پر منتج ہوتی ہے۔

تربیت باب تفعیل کا مصدر ہے، جس کے معنی "بچہ کی پرورش کرنا"، "پالنا" اور "مہذب بنانا" ہیں۔[2] اصطلاح میں اس سے مراد انسان کے اندر کچھ خاص افکار و خیالات کا بیج بو دیا جائے اور اس کے جذبات و میلانات کو ایک خاص رخ عطا کیا جائے۔ اس طور پر کہ کچھ مخصوص رجحانات کی آبیاری ہو سکے اور اس کے اخلاق و کردار ایک مخصوص سانچے میں ڈھل جائیں۔[3] ابن بادیس کے نزدیک انسان میں تبدیلی، اس کی راہ راست کی طرف ہدایت اور اس کی اخلاقیات کی اصلاح ہی تربیت کہلاتی ہے۔[4] تعلیمات نبوی ﷺ سے جو تربیت کا مفہوم ملتا ہے وہ انسان کی تمام تر ذہنی جسمانی اور روحانی صلاحیتوں کی اس طرح سے نشو و نما کا نام ہے جو انسان کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تیار کر دے، چاہے ان کا تعلق انسان کے انفرادی معاملات سے ہو یا اجتماعی، وہ داخلی پہلو سے متعلقہ ہوں یا خارجی۔[5] اسلامی تصورِ علم میں تعلیم اور تربیت جدا نہیں ہیں بلکہ ان دونوں ہی کا مقصد کردار سازی ہے۔

3. معاشرتی اخلاقیات کے فروغ کے لیے اصلاح و تربیت

ایک انسان کی تربیت اور اسے روحانی اعتبار سے درجۂ کمال تک پہنچانے کا عمل اس ذاتِ حق کو اس قدر محبوب ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرما کر اسے احسن التقویم کے ممتاز ترین لقب سے نوازنے کے باوجود اس کی اخلاقی و روحانی تربیت کے لیے نبوت و رسالت کا ایک مستقل سلسلہ شروع فرمایا۔ ان حاملینِ نبوت و رسالت کا وظیفہ ہی یہ قرار پایا کہ وہ اخلاق رذیلہ کی جگہ اخلاقِ عالیہ اور اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے انسان کے قلب و روح اور اس کے ظاہر و باطن کی اخلاقی اور روحانی تربیت کا فریضہ سرانجام دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔[6]

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے اپنا رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں نفسًا و قلبًا پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ اسرارِ معرفت و حقیقت سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ کی روشنی میں گویا کہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب و مطلوب وظیفہ قعرِ مذلت میں گری ہوئی انسانیت کی ظاہری و باطنی تربیت و اصلاح ہی ہے اور پھر آپ ﷺ نے اپنے اس منصبی فریضہ کو بتمام و کمال اس طرح ادا فرمایا کہ جس طرح اس کا

حق تھا۔ وہ معاشرہ جس میں رہنے والا انسان از سر تا پا کفر و شرک، ضلالت و گمراہی اور رذائلِ اخلاق کی اتھاہ گہرائیوں میں گرا ہوا تھا، جہاں انسانیت عملی طور پر بہیمیت کا روپ دھار چکی تھی، شرافت و نجابت نام کی کوئی چیز اس معاشرے میں دور دور تک کہیں نظر نہ آتی تھی اور وہ معاشرہ جو اس دھرتی پر انسانیت کے لیے آزار بن چکا تھا، ایسا معاشرہ مزکی اعظم ﷺ کی نگاہِ ناز اور فیضِ تربیت سے اس طرح تشکیل پاتا ہے کہ وہ ہمدوشِ ثریا ہی نہیں ہوتا بلکہ اس معاشرے سے تعلق رکھنے والا ہر شخص رشکِ ملائکہ قرار پاتا ہے۔ تربیت کا مقصد ہے کہ انسان روح، نسل اور معاشرے کو تعلیم دینے کے لئے، خدا پر ایمان لائے، اسلام کے قانون کو پورا کرے اور اس کے سامنے پیش کرے۔ اس طرح اسلامی تعلیمات تمام والدین اور اساتذہ کی طرف سے اگلی نسل تک پہنچانا واجب ہے۔ اور پھر اس طرح اللہ اور اس کے رسول کی حکمرانی میں انسان کو شرمندگی نہیں ملتی جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار رہے۔

اصلاح انسان کے لئے صرف تعلیم کا ہونا کافی نہیں بلکہ اخلاقی تربیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ جوں جوں وقت کا دھارا بہہ رہا ہے انسانیت کا معیار گرتا چلا جارہا ہے۔ انسانی تزکیہ و اصلاح اور تربیت کا یہ الوہی سلسلہ وجودِ محمدی ﷺ کی صورت میں اپنے منتہائے کمال کو پہنچ کر ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا اور دنیائے انسانی کو آئندہ کسی نئی نبوت و رسالت اور وحی سے ہمیشہ کے لیے بے نیاز کر دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اپنے رفیقِ اعلیٰ سے مل جانے کے بعد تزکیہ نفوس اور اصلاحِ احوال کی ذمہ داری امتِ محمدیہ ﷺ کے علاوہ صالح عناصر کے ذمے ہے۔ چنانچہ عہد صحابہ سے لے کر آج کے اس دور تک ملتِ اسلامیہ کے علمائے کرام نے جس خوش اسلوبی سے اس فریضہ کو نبھایا ہے، وہ تاریخِ اسلام ہی نہیں بلکہ تاریخِ انسانی کا بھی ایک سنہری باب ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ میں اخلاقی تربیت پر پوری توجہ دیتا ہے اور روحانی، عقلی اور مادی اعتبار سے تیار کرتا ہے تاکہ اسی تربیت کے ذریعے اسی کا مستقبل وجود ابھر سکے اور اسی کے صادر ہونے والے اقوال و افعال میں ذاتی اور آزاد ادارہ نکھر کر سامنے آئے۔ موجودہ اخلاقی پستی کا حل صرف اس مصلح اعظم اور پیغمبر انقلاب ﷺ کی سیرت میں مل سکتا ہے جس نے ایک ایسے وقت انسانی معاشرہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا جب فساد پھیلنے لگا، اخلاقی و معاشرتی صورت حال اس قدر دگرگوں تھی کہ دور دور تک اصلاح کے آثار ناپید ہو چکے تھے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش کے سامنے زمانۂ جاہلیت کا منظر کھینچا ہے، انہوں نے نجاشی کے روبرو خطاب کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! ہم بتوں کو پوجتے، نجاست میں آلودہ مردار کھاتے تھے۔ بیہودہ بکا کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور ایمان داری کا نشان نہ تھا، ہمسایہ کی رعایت نہ تھی، کوئی قاعدہ اور قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، سچائی، ایمانداری و دیانتداری تقوی، پاکیزگی سے خوب واقف تھے۔ اس ذات نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔[7]

رسول اللہ ﷺ نے قلیل عرصہ میں جزیرۃ العرب کی کایا پلٹ دی، معاشرہ کی اصلاح اس طرح فرمائی کہ انسان نما بھیڑیئے آپس میں شیر و شکر ہوگئے اور اعلی انسانی صفات کے ایسے کامل نمونے بن گئے۔ معاصر دانشور اور اصحاب قلم کا اتفاق ہے کہ آج

معاشرہ پھر جاہلی معاشرہ کے طرف لوٹ رہا ہے اور وہ ساری خرابیاں جو جاہلی معاشرہ کا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھیں موجودہ معاشرہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ موجودہ معاشرتی بگاڑ کی اصلاح بھی اسی طریقہ سے ممکن ہے جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اپنایا تھا۔

3.1 اصلاح وتربیت کے مختلف پہلو

اسلام کی آمد کے بعد کسی اور مصلح یا رہبر کی ضرورت نہیں ہے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے سب سے پہلے اتباعِ رسول ﷺ کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کی زندگی ہمارے اسلاف نے ہمارے لیے محفوظ کردی ہے۔ اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں حضور ﷺ نے جو کامیابی حاصل کی وہ دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا اور سب سے اہم واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں آپ ﷺ نے جن بنیادی اصولوں پر عمل کیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جس پر آپ خود عمل نہ فرماتے ہوں یعنی حضور ﷺ کے قول و فعل میں تضاد نہیں تھا، جو بات ارشاد فرماتے تھے اس پر عمل بھی فرماتے تھے۔

معاصر دنیا میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے لیکن ان مساعی کا بظاہر کوئی مثبت نتیجہ نظر نہیں آتا۔ اس کی بہت بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم جو بات یا کام کرنے کو کہتے ہیں خود اسے نہیں کرتے۔ چونکہ یہ طریقہ اصلاح سنتِ رسول کے خلاف ہے، اس لیے کبھی بار آور ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں اصلاحِ معاشرہ کا یہی بنیادی نکتہ ہے کہ جو دوسروں کو کہو خود بھی اس پر عمل کرو۔ جب ہم نے بگاڑ کا تعین کر لیا اور اس کے تفصیلی عناصر سے بھی واقفیت حاصل کر لی تو ہمارے لئے اصلاحِ معاشرہ کے اقدام کا تعین کرنا بھی نہایت آسان ہو گیا ہے۔ اصل میں اصلاح نام ہے درستی یا ازالہ فساد کا لہٰذا معاشرہ میں جہاں جہاں بھی فساد ہو گا اس کو درست کرنے کا نام اصلاح ہو گا۔ اسلام جہاں اجتماعی فلاح کا ضامن ہے وہیں افراد کو بھی نظر انداز نہیں کرتا بلکہ فرد کی اصلاح کو اصلاح کا نقطہ آغاز قرار دیتا ہے کیونکہ فرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ لہٰذا فرد کی اصلاح دراصل معاشرہ کی اصلاح ہے۔ انفرادی سطح پر اصلاحِ معاشرہ کے لئے درج ذیل اقدام موثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

3.2 فکری و نظری اصلاح

عقائد و نظریات اور مابعد الطبیعیاتی اقدار انسان کی نجی واجتماعی و عملی اور اخلاقی زندگی کی پوزیشن واضح کرتے ہیں، عقائد و نظریات ہی کی بنا پر انسان کی زندگی سے اعمال پھوٹتے ہیں، اور انسان زندگی کی شاہ راہ پر گامزن ہونے کے لیے ایک متعینہ راہ اختیار کرتا ہے، جس زندگی کی بنیاد خدا کی بندگی ہو، بنیادی عقیدہ توحید فی الذات والصفات ہو اور جس زندگی کی نظریاتی وابستگی رسالت مآب ﷺ کی ذات سے جڑی ہو اس زندگی سے نکلنے والے عمل و کردار میں عبدیت نمایاں ہو گی، توحید کے جذبات

موجزن ہوں گے، اور ایسی زندگی میں رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوگی۔

جس شخص کی تربیت مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اس جینے کے پل پل کا حساب دینے کے نظریے پر ہوگی، اس شخص کی زندگی یقیناً ایسے شخص کی زندگی سے مختلف ہوگی جس کو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور حساب و کتاب کے بارے میں شک وشبہ ہو یا سرے سے وہ اس کا انکاری ہو۔ نوجوان طلبا وطالبات کے عقائد و نظریات کی اصلاح کیلئے سب سے پہلے جس اقدام کی ضرورت ہے وہ نوخیز نسل میں اسلامی اقدار وعقائد کی اہمیت اجاگر کرنا ہے، انہیں یہ بات باور کروائی جاے کہ عمل و کردار کی طرح اقدار و عقائد کے باب میں بھی اسلامی تعلیمات کتنی واضح دوٹوک ہیں اور اعمال صالحہ کی طرح ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقدار صالحہ اور عقائد صالحہ کا پیروکار ہو اور زندگی کے اس شعبے میں بھی صراط مستقیم پر گامزن ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین کی ایک نمایاں خوبی اسلوب تدریج کا اختیار کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دعوتی مشن میں، خصوصا نوخیز نوجوانوں کے ساتھ، تدریجی انداز بیان اختیار فرمایا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذؓ کو یمن بھیجتے ہوئے جو طریقہ دعوت ارشاد فرمایا اس کے مطابق انہیں پہلے اہل یمن کو شہادتین کے اقرار کی دعوت دینے کا حکم دیا، پھر فرمایا اگر وہ یہ بات مان لیں تب ان کے سامنے صدقے سے متعلق احکام بیان کرنا۔ [8] اسی طرح رسول اللہ ﷺ قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے کہ کچھ آیات پڑھا کر جب تک پڑھنے والے انہیں اچھی طرح سمجھ نہ لیں آگے نہ بڑھتے تھے۔[9] اس سنت نبوی ﷺ سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ گو اصول عقائد طلبا وطالبات کو ایک ساتھ بتائے جائیں لیکن نادرست عقائد کی اصلاح و تفہیم کے بارے میں تدریج کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اہم عقائد کے بارے میں ترتیب وار ان کے خلجان کو دور کیا جائے اور ان کے سوالات کا جواب دیا جائے اور بعد ازاں ان سے کم اہمیت رکھنے والے عقائد کی تفصیل ذکر کی جائے۔

3.3 اخلاقی پاکیزگی اور اعلیٰ کردار کے ذریعے عملی تربیت

وعظ و نصیحت کی تاثیر اس وقت کئی گنا بڑھ جاتی ہے جب داعی کی خود اپنی شخصیت اور کردار پاکیزہ اور ستھرا ہو، عام انسانی فطرت یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنے کے خواہشمند داعی کی خود اپنی زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے، اس کی دعوت کے آئینے میں خود اس کو پرکھنا چاہتا ہے، داعی کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے کہ اس کی دعوت کو کس حد تک قبول کیا جائے یا نہ۔ چنانچہ اسی انداز دعوت کو اصلاح عقائد کے اس مشن میں بھی اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جب تک معلم کا عمل و کردار پاکیزہ اور شفاف نہیں ہوگا اس کی دعوت کمزور اور بے اثر رہے گی۔ اس انداز دعوت کو اختیار کرنے کی تجویز کا ماخذ بھی رسول اللہ ﷺ سمیت جملہ انبیاے کرامؑ کی سنتِ دعوت ہے۔ سیدنا شعیبؑ نے قوم کو دعوت دیتے ہوئے اپنے عمل و کردار کے بارے میں فرمایا تھا: "اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں تمہارے پیچھے جا کر خود وہی کام خود کرنے لگوں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے صفا

پہاڑ پر چڑھ کر اپنی پاکیزگی کردار و عمل کو پیش کرنے والی روایت سمیت کچھ اور روایات بھی پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔

3.4 امر بالمعروف ونہی عن المنکر

معاشرے کے اندر ادارہ سازی کی جائے جو فساد کو دور کرنے کی قابلِ عمل تدابیر اختیار کرے۔ دینی نقطہ نظر سے اس ادارہ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہہ سکتے ہیں۔اس فریضے کے ذریعے معاشرے میں اجتماعی شعور بیدار کیا جائے تاکہ کوئی شخص بھی بگاڑ کی طرف مائل نہ ہو۔ مسلمانوں کی دنیا و آخرت کی مکمل کامیابی وکامرانی دینی تعلیمات پر ان کی روح کے مطابق عمل کرنے میں ہے۔ جب تک مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں دینی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہوں اس وقت نہ دنیا میں پوری طرح کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں سرخروئی اور نجات کے مستحق بن سکتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں جہاں عوام دینی تعلیمات سے روگردانی کر کے اپنی خواہشات پر عمل پیرا ہیں۔ ان سے کہیں زیادہ حکمران طبقہ دینی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال چکا ہے بلکہ اکثر اسلامی ممالک کے سربراہان تو اس کو نہ کوئی کام سمجھتے ہیں اور نہ ہی ریاستی معاملات میں اسلامی احکام کی پاسداری کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں۔

چنانچہ بہت سے اسلامی ممالک میں ایسے قوانین رائج ہیں جو اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہیں اور مزید اس طرح کی قانون سازی ہوتی رہتی ہے، حالانکہ مسلمان حکمرانوں اور اربابِ اقتدار کے فرائض میں یہ شامل ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کے خلاف نہ کوئی قانون بنائیں گے اور نہ ہی لاگو کریں گے۔ ان کا ہر فیصلہ اور ہر کام شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں ہونا ضروری ہے۔ ریاستی سطح پر دینی تعلیمات سے دوری کے نتیجے میں مسلمان طرح طرح کے مسائل و مصائب سے دوچار ہیں، جن کی پیشن گوئی رسول اکرم ﷺ پہلے ہی کر چکے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: آپ لوگ ضرور نیک کام کا حکم کروگے اور برے کام سے روکوگے ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمالیں گے، پھر تم اس کو پکاروگے تو وہ آپ کی پکار نہیں سنے گا۔[10]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اصلاً حکومت وریاست کی ذمہ داری ہے، مگر افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ آج اسلامی ممالک کے سربراہان بہت سے معاملات میں ایسے احکامات صادر کرتے ہیں جو خود منکر اور ناجائز ہوتے ہیں، دوسروں کو منکرات سے روکنا تو بہت دور کی بات ہے جس کے نتیجے میں امتِ مسلمہ طرح طرح کے مسائل و مصائب کا شکار ہے۔ لہٰذا مسلمان حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے اپنے آپ کو بچانے کیلئے کوئی ایسا حکم اور فیصلہ صادر نہ کریں جس میں حکمِ الٰہی کی نافرمانی اور خلاف ورزی ہو۔

3.5 مسجد اور خانقاہ کی دینی اور سماجی حیثیت کو اجاگر کرنا

مسجد اور خانقاہ مسلم معاشرت کے اہم مظاہر ہیں۔ صدیوں کا تعامل جس نے مسلم تہذیب کو ایک منفرد حیثیت بخشی، اس میں مسجد اور مکتب کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ آج بھی جہاں مسلمانوں کے چند گھر آباد ہوتے ہیں، وہ سب سے پہلے مسجد کی

ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ ابتدا ہی سے مسلم نفسیات کی تشکیل جن خطوط پر کی گئی، ان میں ان اداروں کا کردار بنیادی تھا۔ ایک اور چیز تعلیم اور مسجد کا باہمی تعلق ہے۔ مسجد نبوی ﷺ میں پہلی تعلیم گاہ کے قیام نے اس روایت کو قائم کر دیا اور بعد میں مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اس روایت کو فروغ دیا گیا اور اس کے ذریعے طلبہ کی زندگیاں ہمارے مخصوص ثقافتی نظام کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔[11] مسجد اسلامی معاشرے کے مستقل اور مرکزی ادارے کے طور پر ہر اسلامی دور میں اہم رہی ہے۔ مسجد صرف ایک عبادت خانہ نہیں بلکہ دربار، عدالت، مقام مشاورت، مکتب، اقامت گاہ، کتب خانہ، مطب، فنون لطیفہ کی نمائش اور اعلانات کے مرکز کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔ یہ اخلاق ساز ادارہ دینی اور دنیاوی تعلیم و تربیت کے لیے مخصوص رہا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مدینہ سے باہر مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے۔ آپ ﷺ جب مدینہ پہنچے تو آپ نے "المربد" میں مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد ڈالی اور اس مسجد میں مسلمانوں نے دینی و دنیاوی تعلیم دینی شروع کی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں مدینہ میں نو اور مساجد تھیں جہاں تعلیم و تدریس کا مقدس فریضہ سر انجام دیا جاتا تھا۔ ایک مسلم سماج اپنی بنیادی مذہبی ضروریات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ مسجد و مکتب، گویا اس کی تہذیبی شناخت کے ناگزیر عناصر ہیں۔ اگر ہم ان کے روایتی اور تاریخی کردار کا احیاء کر سکیں تو معاشرے کی اخلاقی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تعلیم اور رابطے کے فطری ادارے ہیں ان کے ذریعے جس طرح وحدت اور بھائی چارے کا پیغام عام ہو سکتا ہے جو کسی دوسرے ذریعے سے ممکن نہیں۔

3.6 اسلامی اقدار سے ہم آہنگ تعلیم و تدریس کا انتظام

اسلام نہ صرف ایک دین بلکہ ایک ضابطۂ حیات ہے۔ یہ دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ قرآن پاک ہے جو کہ رشد و ہدایت کا خزانہ ہے۔ اس میں انسان کے تمام معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی مسائل کے حل موجود ہیں۔ حصول علم کے لیے اسلام نے تعلیمی مقاصد کا واضح طور پر تعین کیا ہے۔ اسلام تعلیم کو منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک تعلیم کی منزل، اسلامی نظریہ حیات سے آگاہی ہے۔ تعلیم مسلمان طلباء کو اسلامی اصول حیات سے روشناس کراتی ہے تاکہ وہ انہی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کریں اور ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا راستہ خود بنا سکیں۔ اسلام کے نزدیک تعلیم کا ایک مقصد خدا کی معرفت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے روشنی اور ہدایت کا سامان فراہم کرنا ہے۔ اسلامی نظریہ تعلیم کے مطابق سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہے۔ تعلیم جب تک اچھا کردار تعمیر نہ کرے، اپنا حقیقی مقصد حاصل نہ کر پائے گی۔ نبی کریم ﷺ کے بنیادی مشن میں تزکیہ نفس یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر شامل تھی اور اسے اوّلیت حاصل تھی۔[12] انسان کو معقول معاش کے

قابل بنانا، اس کی تمام تر صلاحیتوں، معاش، رویے، امتیازات میں توازن اور بالیدگی و نشوونما کے ساتھ اللہ کا اطاعت گزار بندہ بنانا ہے۔ علوم دینی، وصفی، عمرانی، طبعی، فنی اور حرفتی کی تربیت دینا تاکہ وہ رزق حلال کمانے کے قابل ہو سکیں۔ اسلامی ریاست چلانے کے لیے افراد تیار کرنا اور استحکام معاشرہ کے لیے معیار اخلاق بلند کرنا۔[13]

محمد مصلح الدین کے نزدیک اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کا مقصد دین کو سمجھنا اور اس میں بصیرت حاصل کر کے اس کے مزاج اور روح سے آشنا ہونا ہے۔ اسلام کے تعلیمی نظام میں مقصود نہ دولت دنیا ہے، نہ علمی تفاخر، نہ شہرت و مباہات۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جن مقاصد محمودہ کی ترغیب دلائی، وہ یہ تھے: خدا کی ناراضی کا ڈر، فرائض دینی کا علم اور ان کی ادائیگی کا اہتمام، تزکیہ نفس یا تعمیر کردار، دنیا سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ کے دین کا احیاء و غلبہ۔[14]

قیامِ پاکستان کے بعد ابتدا میں اساتذہ معمار قوم کے فرائض انجام دیتے ہوئے ان کے نصاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اخلاقی تربیت بھی دیا کرتے تھے جس کے باعث نامی گرامی افسران و سائنسدان اور سیاستدان وغیرہ سامنے آئے۔ لیکن جب سے اہلیت کے معیار کو نظر انداز کر کے نااہلوں کو سفارش اور کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر مسلط کیا گیا تو انسان سازی کا عمل رُک گیا۔ یہ تو ایک جھلک سرکاری عصری تعلیمی اداروں کی پیش کی گئی، جبکہ زیادہ تر نجی تعلیمی ادارے منافع بخش کاروباری صنعت بن چکے ہیں، جہاں بیرونِ ملک سے درآمد کی گئی مہنگی کتب، کیمبرج سسٹم اور اُن کے نصابات دینِ اسلام اور سیرت و سنتِ رسول ﷺ سے قریب لانے کے بجائے دوری پیدا کرنے کا کام کر رہے ہیں۔

3.7 والدین کی تربیتی ذمہ داریاں

اولاد کی اچھی یا بُری تعلیم و تربیت کا دار و مدار والدین کی پرورش اور نگہداشت کے ساتھ ساتھ ان کی صحیح خطوط پر ذہن سازی اور اخلاق و کردار پر منحصر ہوتا ہے والدین کو چاہیے کہ عزت افزائی، حوصلہ افزائی اور تعریف میں سب سے زیادہ اولیت بچوں کی کامیابیوں کو دیں خواہ وہ کامیابی ان کی نظر میں کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ وہ کامیابی بچے کی ذاتی صلاحیتوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہوتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ بچوں کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی کو بھی سراہیں۔ جب انہیں والدین کی ایسی محبت اور تعریف و توصیف ملے گی تو انہیں محسوس ہو گا کہ ان کے والدین اُن پر اعتماد کرتے ہیں۔ پھر خود اعتمادی کا یہ احساس انہیں مزید سیکھنے، نشوونما پانے اور کامیاب ہونے کی طرف راغب کرے گا اور دوسروں سے خوشگوار تعلقات قائم کرنے میں بھی مدد و معاون ثابت ہو گا۔ والدین کے پیش نظر ہمیشہ یہ امر رہنا چاہیے کہ اپنے بچوں کا کسی بھی دوسرے بچے سے موازنہ نہ کریں۔ اگر کسی بچے میں جسمانی نقص ہو یا وہ ذہنی طور پر کمزور ہو تو بجائے اس کو یہ احساس دلانے کے کہ وہ معذور یا کمزور ہے، بلکہ اس کا حوصلہ بڑھانے

کے لیے اسے ایسے لوگوں کے واقعات سنانے چاہییں جنھوں نے معذوری اور کمزوری کے باوجود دنیا میں اتنا نام کمایا۔

3.8 شخصی، قومی، نسلی اور طبقاتی تقسیم کا خاتمہ

نظامِ انسانیت، جو شخصی، قومی، نسلی اور طبقاتی خود غرضیوں کے بجائے تمام انسانوں کے مساوی مرتبے اور مساوی حقوق پر مبنی ہو۔ جس میں بے جا امتیازات نہ ہوں جس میں اونچ نیچ، چھُوت چھات اور مصنوعی تعصبات نہ ہوں۔ جس میں بعض کے لیے مخصوص حقوق اور بعض کے لیے بناوٹی پابندیاں اور رکاوٹیں نہ ہوں۔ جس میں سب کو یکساں پھولنے پھلنے کا موقع ملے۔ جس میں اتنی وسعت ہو کہ روئے زمین کے سارے انسان اس میں برابری کے ساتھ شریک ہو سکتے ہوں۔ حقوق العباد میں ہر قسم کی کوتاہیوں سے معاشرہ کو پاک رکھنے کے لئے نبی ٔرحمت ﷺ نے ایمانی بھائیوں کے درمیان اسلامی اخوت کو خوب فروغ دیا کہ کلمہ کی بنیاد پر ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان ہی دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔15 اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے پڑوسیوں اور اہل قرابت کے متعلق فرمایا: جب تم سالن پکاؤ تو چاہئے کہ شوربہ زیادہ کر دو اور کچھ پڑوسی کو بھیجو۔ 16 مزید فرمایا: وہ ایمان والا نہیں جو ایسے حالت میں پیٹ بھر کر سو جائے کہ اس کے پہلو میں رہنے والا پڑوسی بھوکا اور پیٹ بھر کر سو جانے والے کو علم ہو کہ پڑوسی بھوکا ہے۔[17] مسلم معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی کے یہ جذبات فروغ پائیں تو کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی کیوں کر حق تلفی کرے گا، اس وقت ظلم و تعدی قتل و غارت گری اور حق تلفی کی جتنی شکلیں معاشرہ میں عام ہیں، وہ اسلامی اخوت سے روگردانی کا نتیجہ ہے۔ ایک خاندان سے وابستہ افراد تک باہم دست و گریباں ہیں۔

3.9 اصلاح و تربیت کی راہ میں حائل مشکلات اور تدارک

اخلاقی بنیادوں پر قائم ہونے والے ایک صالح معاشرے کا ترقی پزیر ہونا ایک عقلی تقاضا ہے۔ کیوں کہ جس معیشت، معاشرت اور قانون و ثقافت کی بنیاد حقوق و فرائض کی ادائیگی پر ہو گی، وہ پس ماندہ، مفلس اور اخلاقی بیماریوں دھوکا، جھوٹ، فریب، چوری، بے حیائی اور فحاشی کا مرکز نہیں ہو سکتا۔ اس میں معروف، برّ، خیر، فلاح، حیا، نیکی، ایفائے عہد، معاشی، اخلاقی اور قانونی پیمانوں کا احترام لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے سیاسی زوال کے باوجود صدیوں تک مسلم معاشرہ اپنی اخلاقی برتری، ذمہ دارانہ طرزِ عمل، حیا اور ایمان داری کے لئے مثال بنا رہا۔ لیکن یہ بد قسمتی ہے کہ مسلم معاشرہ ان خوبیوں کے حوالے سے اب رو بہ زوال ہے۔ اس بگاڑ کے کچھ ایسے اسباب بھی ہیں جن کی وجہ سے عصر حاضر میں والدین و مربیاں اس فکر و سوچ میں ہیں کہ انکی تربیت بچوں پر اثر نہیں کرتی اور بچے فکری و معاشرتی طور پر بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔ بچوں کی تربیت کیونکر اسلامی نہج پر نہیں ہو پا رہی اور اس سلسلہ میں آج کے دور میں کن مسائل کا مُربّیان کو سامنا ہے ذیل میں انھیں مرحلہ وار بیان کیا جاتا ہے:

3.10 معاشرے میں لادینی ماحول کا غلبہ

بری صحبت کا ہونا بھی تربیت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ موجودہ دور میں بچے تعلیمی سرگرمیوں کے لئے یا گھر سے باہر جاتے ہیں تو اس معاشرتی ماحول میں انکی دوستیاں بننا معمولی امر ہے۔ گھر والے یہ سمجھتے ہیں کہ گھر کا ماحول اچھا ہے اور بچہ بھی شریف ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اسکی صحبت اور اُٹھنے بیٹھنے والے لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اور ہوش تب آتی ہے جب بچے جرائم اور اخلاقی تباہی میں ملوث ہونے کی وجہ سے خاندان کی عزت کا جنازہ نکال چکے ہوتے ہیں۔ بچے دوستوں سے ایسی بے ہودگی سیکھتے ہیں جس کا والدین کو اندازہ تک نہیں ہوتا۔ اس لئے والدین بچوں کے دوستوں پر خصوصی نظر رکھیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ذہین طلباء پر ناسمجھ طلباء اپنی صحبت کا اثر ڈال دیتے ہیں جس سے مستقبل میں قوم کا رہنماء بننے والا اپنے گاؤں یا بستی والوں کی تربیت کرنے والا ایک آوارہ شخص بن جاتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ مُربّیان کو چاہیے کہ وہ بچوں کی صحبت کی خبر رکھیں کہیں اسکے احباب دین سے دور بے راہ رو تو نہیں وگرنہ بچہ انکے اثرات کو کسی نہ کسی انداز میں قبول کرے گا اور بے راہ روی کا شکار ہوگا۔ پس اسے کسی بھی طرح کی بری صحبت سے بچایا جائے اور بری محفل کا حصہ نہ بننے دیا جائے۔ کیونکہ آقا ﷺ کا فرمان ہے۔ "آدمی ان کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے"۔[18]

بچوں کی اچھی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ انہیں ایسی صحبت میں رکھیں جس میں پاکیزہ ماحول ہو تاکہ اس کے اخلاق و خصائل میں حُسن آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی معمول اقدس یہ تھا کہ بچوں کو اپنی صحبت میں رکھتے تھے۔ ابتدائی عمر میں ابھی چونکے بچہ گھر سے باہر نکلنا ہی شروع کرتا ہے پس والدین اور اہل خانہ کی ذمہ داری ہے کہ اسکے مزاج کے بچوں سے اسکی دوستی بنائیں۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے دائرہ کار میں آنے والے دوست احباب کا بھی پتہ رکھا جائے کہ کیسے لوگ اس کی صحبت میں حصہ دار ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔ الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ -[19] "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہذا اسکی محفل پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔"

یہ دور فتنہ وفساد کا دور ہے، ہر جانب سے فتنے کی ہوائیں چل رہی ہیں، لہٰذا والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو ان فتنوں سے بچائیں اوران کی حفاظت پر سختی سے توجہ دیں، نیز اس جانب بھی توجہ دیں کہ بچوں کی ہم نشینی اور کھیل کود کس قسم کے بچوں کے ساتھ ہے، اس لئے کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے اور بچہ اپنی فکری پختگی محفل اور ماحول سے بھی کرتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا

مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالجَلِيسِ السَّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ المِسْكِ وَكِيرِ الحَدَّادِ، لاَ يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ المِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ، أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ، أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ

تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً۔[20]

نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال کستوری بیچنے والے عطار اور لوہار کی سی ہے۔ مشک بیچنے والے کے پاس سے تم دو اچھائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور پالوگے۔ یا تو مشک ہی خرید لوگے ورنہ کم از کم اس کی خوشبو تو ضرور ہی پاسکوگے۔ لیکن لوہار کی بھٹی یا تمہارے بدن اور کپڑے کو جھلسادے گی ورنہ بدبو تو اس سے تم ضرور پالوگے۔

بچے ماحول کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور معاشرے میں اس وقت بے برائی اور فضولیات اس قدر عام ہیں کہ بچے اور نوجوان اس میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ معاشرے میں ان فضولیات کو تو اپنایا جاتا ہے مگر تعلیم وتربیت پر توجہ نہیں دی جاتی۔

3.11 مخلوط تعلیمی نظام کا رائج ہونا

مخلوط تعلیم کا بنیادی تصور یہ ہے کہ مرد عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کریں، کسی کی فوقیت اور کسی کی کم تری کا سوال نہ ہو، مکمل طور سے مساوات ہو، اساتذہ اور منتظمین کی جانب سے کوئی خصوصی رعایت نہ ہو، نہ ہی علیحدہ کلاس، نشست، کامن روم، ہاسٹل وغیرہ ہوں اور نہ ہی ساتھ کھیلنے کودنے بیٹھنے پر کوئی پابندی ہو۔ مخلوط تعلیم کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہوا۔ اس سے پہلے کسی قوم میں یہ بیماری نہیں تھی۔ یونانی جو کہ بہت ترقی یافتہ تھے لیکن ان کے یہاں بھی اس کا کوئی تصور نہ تھا۔ اہلِ روم آزادیِ نسواں کے زبردست علمبردار تھے مگر ان کو بھی مخلوط تعلیمی نظام کی نہ سوجھی۔ چین کی تاریخ میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ اخلاقی طور پر اس نظام کے مضر اثرات نمایاں طور پر لڑکے لڑکیوں پر پڑ رہے ہیں۔ ابھی معاملہ زیادہ نہیں بگڑا ہے کیوں کہ ہمارے درمیان ہمارے بزرگ موجود ہیں جنہوں نے ہمیں دینی اقدار سے جوڑے رکھا ہے لیکن جب یہ موجودہ نسل بزرگ ہو جائے گی اور ان کی اولاد اس تعلیمی نظام میں جائے گی تو اس وقت جو اخلاقی بگاڑ اور جنسی انارکی کا طوفان آئے گا اس کا ہم ابھی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ یہ نظامِ تعلیم معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کا سب سے مسحور کن ہتھیار ہے۔ اس کے نقصانات درج ذیل ہیں۔

- جنسی کشمکش: لڑکے لڑکیوں میں جسمانی اور ذہنی فرق روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے دونوں کو مختلف مشاغل کے لیے پیدا کیا ہے اور مختلف انداز میں خدمات لینا چاہا ہے۔ اب اگر دونوں چھ سے آٹھ گھنٹے اکٹھا بیٹھے رہیں تو اس کا مطلب صاف ہے کہ ان کو جنسی اشتعال دلایا جا رہا ہے۔ جس سے نفسیاتی انحراف، جنسی اضطراب اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔
- خاندانی نظام کا خاتمہ: تعلیم کے دوران لڑکے لڑکیوں کے تعلقات میں سارا معاملہ وقتی لذت کے حصول کا ہوتا ہے۔ عیاشی زندگی کا مقصد بن جاتی ہے پھر ایک ہاتھ آگے بڑھ کر ہم جنسی کی بیماری پھیلتی ہے، ناجائز اولاد اور اسقاطِ حمل

جیسے گناہ ہوتے ہیں۔شادی کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے جس سے خاندان کے تصور کا خاتمہ ہوتا ہے۔

- ❖ نظم وضبط اور معیارِ تعلیم کا گرنا: یہ نظامِ تعلیم اداروں کے نظم وضبط اور تعلیم کے معیار پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔علم پر توجہ کے بجائے زیب وزینت اور خود نمائی پر توجہ دی جاتی ہے،طلبہ وطالبات خود ایک دوسرے میں اتنی دلچسپی لیتے ہیں کہ پھر پڑھائی میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے،طلبہ کے لیے سب سے غیر اہم تعلیم اور سب سے اہم صنفِ مخالف کی توجہ کا مرکز بنا رہنا ہوتا ہے،اسی کی وجہ سے آپسی لڑائی اور گروپ بندی ہوتی ہے۔
- ❖ تدریس میں مشکلات: کلاس میں استاد کا پڑھانا ہی تعلیم کی بنیاد ہے۔استاد لاتعلقی سے نہیں پڑھا سکتا بلکہ وہ شاگردوں سے براہ راست ذہنی رابطہ قائم کرتا ہے۔اس میں صنفِ مخالف کو مشکل پیش آتی ہے اسی لیے لڑکیاں ایک لیڈی ٹیچر کو اور لڑکے ایک استاد کو ہی اپنا حقیقی مشیر یا مربی سمجھتے ہیں۔جو مخلوط تعلیمی نظام میں ممکن نہیں ہے۔اسی لیے آج کے دور میں ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی جس میں استاد اور شاگرد کا مقدس رشتہ داغدار ہوا ہے۔ریسرچ اسکالروں کا ذہنی و جسمانی استحصال عام بات ہے۔
- ❖ مسئلہ کا حل: مسلم دانشوروں اور علماء کرام نے ہمیشہ مخلوط تعلیمی نظام کی مخالفت کی ہے لیکن جب آپ کسی چیز کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کا بدل تیار کرنا ضروری ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ الگ الگ تعلیمی ادارے کھولے جائیں اور یہ کوئی ناممکن کام نہیں ہے۔جہاں تک اس کام کے لیے روپے اور وسائل کی بات ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے پاس دونوں کی کوئی کمی نہیں ہے اور جب تک اس کا متبادل نہ تیار ہو تو جتنا ممکن ہو سکے اسلامی حدود میں رہتے ہوئے تعلیم حاصل کریں۔لڑکیاں پردے کا مکمل خیال رکھیں،اساتذہ اور طلبہ سے غیر ضروری اختلاط سے اجتناب کریں۔

نبی کریم ﷺ نے مرد اور عورت دونوں کی تعلیم کو ضروری قرار دیا لیکن آج کے دور کی مخلوط تعلیم حاصل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلم خواتین نے اسلامی دائرہ کار میں رہ کر نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں اور علم وفضل میں اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اولاد کی تعلیم وتربیت میں بھی روشن مثالیں قائم کی ہیں۔امام ابو حنیفہؒ،امام شافعیؒ،امام مالکؒ،امام احمد بن حنبلؒ،سلطان صلاح الدین ایوبیؒ،شاہ ولی اللہؒ،علامہ اقبالؒ وغیرہ اس کی نمایاں دلیل ہیں۔یہ مخلوط تعلیمی نظام ہی کا نتیجہ ہے کہ آج اس پائے کے لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور اس مروجہ تعلیمی نظام سے اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے۔

3.12 ذرائع ابلاغ

جدید ذرائع ابلاغ اتنے طاقتور ہیں کہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کر دکھانا ان کے لیے معمولی کام ہے،دورِ حاضر کا انسان

ذرائع ابلاغ کا غلام ہو گیا ہے، وہ ہر وقت نئی نئی چیزوں، معلومات اور نتائج کا منتظر رہتا ہے۔ انسان کے اندر ایک ایسی ہوس پیدا کر دی گئی ہے جو کسی طور پر ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی، ذرائع ابلاغ کے دو رُخ ہیں، ایک مثبت دوسرا منفی۔ مثبت پہلو میں استعمال کیا جائے تو تعلیم کے شعبے میں ترقی حاصل کی جاسکتی ہے، مثبت معلومات کا حصول آسان ہو سکتا ہے۔ جدید اور سائنسی علوم کو فروغ دیا جاسکتا ہے، معاشرے کے اندر نیکی اور بھلائی کا فروغ ہو سکتا ہے، بدی کی روک تھام کی جاسکتی ہے۔

تعلیم اور ثقافت کے عمدہ پروگرام تعمیر شخصیت میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ سمعی وبصری ذرائع ابلاغ کے ذریعے تنہائی کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ مگر مثبت استعمال ۲۰ فیصد بھی نہیں جبکہ منفی استعمال 80 فیصد سے زائد ہے، ذرائع ابلاغ نے جہاں مثبت اثرات مرتب کیے ہیں وہاں بہت سے منفی اثرات بھی مرتب کیے ہیں، غیر محسوس انداز میں سامعین وناظرین کے رویوں، سوچ اور مزاج کو متاثر کرتے ہیں۔ طرزِ زندگی، رہن سہن، رسم و رواج، نشست و برخاست انداز گفتگو وغیرہ کو متاثر کیا ہے، نوجوان نسل میں بے راہ روی، بے مقصدیت، فیشن پرستی، جنسی آوارگی، تشدد اور تخریب کاری پیدا کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔ ٹی وی ڈراموں، اخبارات، رسائل، انٹرنیٹ کے ذریعے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ، جرائم پروری، نمود و نمائش، ریاکاری، مکاری، تشدد پسندی، غنڈہ گردی اور فیشن پرستی میں اضافہ ہوا ہے، ان روحانی بیماریوں سے اگر چھٹکارا پانا چاہتے ہیں تو قرآن وسنت کو تھامنے میں ہی عافیت ہے۔

معاصر ذرائع ابلاغ نے فحاشی و عریانی، رقص و سرود، بے دینی پھیلانے نیز نظریہ پاکستان اور اسلامی اقدار کو پامال کرنے کی انتہا کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے حکمران، بیوروکریسی شعبہ تعلیم کے افسران، اور علم فروش تاجران ذمہ دار ہیں۔[21] موجودہ ذرائع ابلاغ نے ہماری اولادوں کے اخلاق و کردار کو تباہ وبرباد کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں آج کل کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ روزانہ اخبار کیا آئینہ دکھا رہے ہیں، بدتمیزی، بدتہذیبی، بداخلاقی اور اخلاقِ رزیلہ نے قومی وجود کی تو آکاس بیل کی مانند اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ معاشرے کے اندر خودکشی کا رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ انٹرنیٹ کیمرے کے سامنے خودکشی کے واقعات بھی رونما ہونے لگے ہیں، ہر رجحانات کسی جانب اشارہ کرتے ہیں۔

یہ جائزہ لینے کی بھی ضرورت ہے کہ کیا ذرائع ابلاغ کی چکاچوند انسانی خواہشات کو اپنی دلدل میں تو نہیں لے جارہے جہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہو گی۔[22] حلال اور حرام کی تمیز ختم ہو گئی، اللہ سے شکوہ کیا جانے لگا، والدین سے لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ نوع بر نوع نفسیاتی بیماریاں بھی پھیل گئی ہیں، معاشرے میں احساسِ کمتری پیدا ہو رہی ہے، طبقاتی تفاوت کی بنا پر چوری ڈاکوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ غیر حقیقت پسندانہ رویے بڑھ رہے ہیں، ڈرامے دیکھ دیکھ کر بچے غیر حقیقی زندگی کی باتیں کرتے ہیں اور غیر حقیقی کام کر گزرتے ہیں کہ بعض اوقات جن کا نقصان ناقابلِ تلافی ہوتا ہے۔ اخلاقی تنزلی کی وجہ سے طلاقوں کی بھرمار ہے الغرض مقصدیت کا سیلاب ہے، آج ہمارا ہمارے بچوں کا مقصدِ حیات کھو گیا ہے، اخلاقی بے راہ روی کے فروغ اور لوگوں کو دین واخلاق سے بیزار بنانے اور

خاندانی نظام کی شکست میں فن نے بڑااہم کردار ادا کیا ہے جس کے شواہد خود مغربی زندگی میں کھلم کھلا دیکھے جاسکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اجتماعیات اور اخلاقیات کے بعض مغربی ماہرین نے اس صورتِ حال پر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔[23]

سوشل نیٹ ورک سائٹس فیس بک، ٹوئٹر وغیرہ کے ذریعے جس طرح سے لڑکیوں سے دوستی کی لہر چل پڑی ہے یہ بھی پڑھی لکھی نسل کی تباہی کی اہم وجہ ہے، ملٹی میڈیا، انٹرنیٹ کا بے جا استعمال اس کا ذمہ دار ہے، والدین بچیوں کو موبائل ہر گز نہ دیں اور ضرورت ہو تو اپنی نگرانی میں دیں اور بچوں کو بھی موبائل دلائیں تو نگرانی بھرپور ہو، نیز موبائل روزآنہ چیک کیا جائے، ساتھ ہی یہ خیال ملحوظ ہو تو زیادہ بہتر ہوگا کہ موبائل سادہ دلایا جائے جس میں وڈیو اور میمری کی سہولت نہیں ہوتی۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ایک طبقہ صرف قراءت اور نعت و بیان وسلام ہی سُنتا ہے لیکن عام طور پر گانے، فلمیں، مووی، سیریل وغیرہ ملٹی میڈیا موبائل کے ذریعے دیکھے سُنے جاتے ہیں جس کا اثر اخلاقی گراوٹ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

3.13 معاشرے کی اصلاح وتربیت میں خواتین کا کردار

قابل غور بات یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا آغاز کہاں سے کیا جائے۔ جواب کے لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ معاشرہ میں بسنے والے افراد کی زندگی کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوتی ہے قرآن پر غور کرنے سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ زندگی کی ابتدا خاندان سے ہوتی ہے۔ یقیناً کوئی حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ماں کی آغوش ہی بچہ کی پہلی درس گاہ ہے۔ اس بنیاد اور اولین درس گاہ کو نظر انداز کرکے معاشرتی اصلاح نہیں کی جاسکتی اس لئے ابتدا ہی سے ان کی اصلاح وتربیت ہونا چاہیے تاکہ مضبوط بنیاد پر خوش نما عمارت تعمیر کی جاسکے۔ اصلاح معاشرہ میں خواتین اہم و موثر کردار ادا کرسکتی ہیں۔ دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں خواتین نے ہمیشہ اصلاح معاشرہ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

عورت معاشرہ میں کئی اہم منصب رکھتی ہے اور ہر ایک منصب ایک خاندان کی اصلاح اور خاندان کی اصلاح کے ذریعے معاشرہ کی اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ ماں ہو یا بیٹی، بہن ہو یا بیوی، معاشرہ کی موثر فعال رکن ہے اور ہونا چاہیے تاکہ وہ اسلامی معاشرہ کے قیام واصلاح میں اپنا کردار فریضہ سمجھ کر باحسن وخوبی ادا کرسکے۔

اسلامی معاشرہ نے عورت کو گھریلو زندگی کی مالکہ اور نگراں کا درجہ دیا ہے۔ بچوں کی تربیت اور کردار سازی اس کا اہم و بنیادی فریضہ ہے۔ عورت ہی مذہبی وثقافتی اقدار کی امین و محافظ تصور کی جاتی ہے۔ عورت اگر اچھے کردار کی مالکہ، دین کی اشاعت کی خواہاں، مشفق و پرخلوص ہوگی تو قوم کو بنانے اور اصلاح کرنے میں مرد سے بہتر کردار ادا کرسکتی ہے۔ مزید برآں تعلیم یافتہ

خاتون یہ فریضہ زیادہ بہتر طور پر انجام دے سکتی ہے۔ معاشرے کی اخلاقی و روحانی اقدار کے تحفظ اور معاشرے کی اصلاح کے لیے خواتین خصوصاً تعلیم یافتہ خواتین آگے بڑھ کر اپنا کردار ادا کر سکتی ہیں۔

3.14 تعلیمی نظام اور نصاب تعلیم کی دین سے دوری

تربیت کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ دور میں والدین بچے کو سکول یا مدرسہ میں داخل کروانے کے بعد سمجھتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے ہیں جبکہ اساتذہ کے پاس بچے صرف چند گھنٹے جاتے ہیں۔ اور اساتذہ بھی بس اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیاں سرانجام دینے مثلاً حاضری و داخلہ، نصاب ختم کرنا اور فہرستیں بنانا، پر ہی معمور ہیں۔ انہیں بچوں کی معاشرتی، ذہنی، اخلاقی اور مذہبی تربیت سے کوئی سروکار نہیں۔ رشتہ دار اور خاندان کے دیگر افراد یا ادارے بھی اس معاملے میں کہیں کوئی کردار ادا کرتے نظر نہیں آتے۔ اگر والدین اور اساتذہ یہ سمجھ لیں کہ یہ ہماری مذہبی ذمہ داری ہے اور ہمیں قیامت کو اسکے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی اور ہر کوئی بچوں، شاگردوں اور ماتحتوں کو امانت سمجھے تو تربیتی سرگرمیاں بہتر ہو سکتی ہیں۔ اچھی تربیت کے سلسلہ میں ایک بہت بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہمارے تعلیمی نصاب کو دینی و اخلاقی تعلیمات سے مبرا کر دیا گیا ہے۔

بحیثیت قوم ہمیں خود انتہائی ذمہ دارانہ طور پر مغرب کے زیر اثر اپنے نظام تعلیم کو تبدیل کرنا چاہیے تاکہ ہماری نسل نو اسلام، نظریہ پاکستان اور اپنے شاندار ماضی سے واقف ہوں۔ اور انکے خیالات و نظریات اسلام یا ملک دشمن نہ ہوں۔ بچوں کی تربیت کے لئے نصاب میں بھی ایسا مواد شامل کرنے کی ضرورت ہے جو انہیں صحیح طور پر اسلامی روح دے۔ اگر طلبہ کے لئے سیرتِ مبارکہ ﷺ سے ایسے واقعات اور ارشادات نقل کر دیئے جائیں جن کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی سے ہے اور یہ آدابِ زندگی بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں تو معاشرے کی تربیت کا فرض ممکن حد تک ادا کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

ایک بہت بڑی رکاوٹ جو تربیت کے سلسلے میں ہے وہ نوجوان نسل کا لادینیت سے متعلقہ لٹریچر کا مطالعہ ہے۔ ہمارے ملک میں جو غیر ملکی لائبریریاں اس وقت کام کر رہی ہیں، ان کا اکثر و بیشتر لٹریچر مذہبی و دینی لحاظ سے ٹھیس پہنچانے والا ہے اور اس میں بے راہ روی اور لادینی تصورات کی بھرمار ہے۔ پھر ان کتب کا مواد ایسا ہے کہ بچے اس لٹریچر کو پڑھنے کے بعد اساتذہ اور والدین کی تربیت قبول نہیں کرتے اور دین سے بھی بیزاری، دوری اور اکتاہٹ ظاہر کرنے لگتے ہیں۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ان ممالک کی علوم نوازی ہے، جبکہ یہ ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی بڑی سازش و کوشش ہے اور ہماری نسل کی اخلاقیات کی قتل گاہیں ہیں۔

بچوں کو گھر میں ایک لائبریری دی جائے جس میں موجود کتب کا مطالعہ کر کے لغو باتوں سے بچیں اور خوش رہیں۔ بچوں کو اسلامی کتب کے مطالعہ کا شوق دلایا جائے۔ اس مقصد کے لئے والدین انہیں بچپن میں ہی کتب مہیا کریں۔ پاکستان میں طلباء کی فکری ترقی کے لئے کتب خانے بہت اہم ہیں۔ اگر ان خالی ذہنوں کو جرائم سے بچانا، اور فکری انقلاب دینا ہے تو کتب خانوں کی اصلاح لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب کسی علاقے میں کسی صحابی کو معلم بنا کر بھیجتے تو علمی دسترس رکھنے والوں کو ترجیح دیتے جیسا کہ معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا۔24 نیز ان کی وقتاً فوقتاً اصلاح بھی فرماتے اور مزید انہیں نئے نازل شدہ احکامات سے بھی آگاہ رکھتے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو ان کے علاقے میں جاتے ہوئے آپ ﷺ نے نماز، روزہ، ربوٰا اور شراب کے احکام لکھوا کر بھیجا۔[25] عمرو بن حزم کو جب یمن کی طرف گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں فرائض، صدقات اور دیت وغیرہ کے احکام آپ ﷺ نے لکھوا کر بھیجا۔[26] اسی طرح عبداللہ بن الحکیم رضی اللہ عنہ کو بھی مردہ جانور کے احکام قلمبند کروا کر بھیجا۔[27] لہٰذا اساتذہ کے ریفریشر کورسز باقاعدہ کروائے جائیں، ماسٹر ٹرینرز کی تعداد میں اضافہ کیا جائے، نجی سکولوں کے معیارِ تعلیم اور اساتذہ کی تربیت و تعلیم کا خصوصی معائنہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں پرائیویٹ اداروں کی تربیت کے لئے بھی پروگرام مرتب کئے جائیں۔

4. خلاصہ کلام

معاشرتی اقدار کی اصلاح اور فروغ تعلیماتِ نبوی ﷺ کا ایک مثالی اور لائق تقلید پہلو ہے۔ آپ ﷺ نے جن بنیادوں پر تشکیل معاشرہ کا کام جاری فرمایا وہ اخلاق حسنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بنیادوں پر معاشرہ قائم کر کے چھوڑا نہیں بلکہ اس میں تسلسل اور مزید استحکام پیدا کرنے کے لئے تعلیم و تربیت کا نظام بھی قائم کیا جو عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے دور میں مسلسل جاری رہا۔ موجودہ دور میں اسلامی نظام کے نفاذ کا جذبہ رکھنے والے دانشور، عوام اور حکومت کے سنجیدہ افراد اگر مخلصانہ طور پر اس نسخہ کیمیا کو آزمائیں تو امید ہے کہ اصلاح معاشرہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ تربیتی اسلوب تیر بہدف ثابت ہو گا۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اصولی راہنمائی موجود ہے۔ سیاست و حکمرانی دنیاوی زندگی کا اہم ترین باب اور انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے۔ اسلام میں حکومت کی تشکیل و تاسیس اور طریقۂ انتخاب سے لے کر اس کی توسیع واستحکام تک اور آئینی اور اصولی نظریات سے عملی جزئیات تک ہر مرحلے کے لیے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ پاکستان میں معاشرتی اصلاح مخلص اور ایماندار قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مروّجہ ناقص جمہوری نظام کی بدولت صالح قیادت کا قانون ساز اداروں میں پہنچنا تقریباً ناممکن ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کی بجائے جمہوری رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

انسانی حقوق کی حقیقی دستاویز خطبہ حجۃ الوداع کو عملاً نافذ کر کے صالح معاشرے کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ یہ خطبہ اعلیٰ معاشرتی اقدار کی ایسی دستاویز ہے جس میں ہر شخص کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔ مرد و عورت کے حقوق اور دائرہ کار کا تعین کر دیا گیا ہے۔ معاشرتی اخلاقیات اسی صورت سنوریں گی جب ہر فرد میں احساسِ ذمہ داری کا شعور اجاگر ہو گا۔ افراد معاشرہ کی تربیت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا دور کرنا اس دور کی اہم ضرورت ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ افراد معاشرہ تباہی و بربادی سے

بچ جائیں اور ملتِ اسلامیہ و پاکستانی معاشرہ اصلاح کی راہ لے تو افراد معاشرہ کی تربیت اسلامی نہج پر اور سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں کرنا مُربّیان کے لیے لازم ہے۔ قومی قائدین اُسوہ رسول ﷺ کا اتباع کریں تو اس کے مندرجہ ذیل اثرات برآمد ہوں گے۔

- فلاحی معاشرہ کے قیام سے رضائے الٰہی کا حصول۔
- اخلاقی اقدار کے فروغ سے معاشرتی اصلاح۔
- معاشرتی انتشار کا خاتمہ اور مستحکم سیاسی نظام کا قیام۔
- عوام کی معاشی، اخلاقی، ذہنی اور نفسیاتی فلاح و امن۔
- حقوق و فرائض کی مکمل و احسن ادائیگی۔
- ریاستی اداروں کی عمدہ ساکھ سے بین الاقوامی اچھی شہرت کا حصول۔
- ملکی سالمیت اور مضبوط داخلی اور خارجی نظام۔

5. تجاویز و سفارشات

1. فرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہے جس کی درستگی معاشرے کی اصلاح ہے۔ ہر فرد دوسروں کی اصلاح کرنے کے بجائے اپنی اصلاح پر توجہ مرکوز کرے۔
2. دورِ حاضر میں ذرائع ابلاغ عوامی رجحانات کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں لہذا ان ذرائع کے ذریعے دینی اقدار اور اسلامی طرزِ حیات کی تفہیم کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے اور معاشرے کا اجتماعی شعور بیدار کیا جائے۔
3. امت مسلمہ کا صالح عنصر مجتمع ہو جائے اور اس کا اپنا ذاتی اور اجتماعی رویہ راستبازی، انصاف، حق پسندی، خلوص اور دیانت پر قائم ہو جائے تو منظم نیکی کے سامنے منظم بدی ماند پڑ جائے گی۔
4. اصلاح معاشرہ کے لئے مسجد کو مرکزی حیثیت دی جائے اور مسجد کی دینی اور سماجی حیثیت کو اجاگر کیا جائے۔ عوام الناس مسجد سے اپنا تعلق مضبوط کرے اور ان میں پورے معاشرے پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔
5. معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا دارومدار تعلیمی اداروں پر ہوتا ہے۔ تکریمِ انسانیت اور اخلاقی اقدار سے متعلق تعلیمات نبوی ﷺ کو پرائمری سے لیکر اعلیٰ ترین سطح تک تعلیمی نصاب میں شامل کر کے نصاب تعلیم کو قومی امنگوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔
6. بدعنوان عناصر کے خلاف مؤثر قانون سازی اور قومی ادارۂ محتسب کے کردار کو مؤثر بنانے اور اس کی تشکیل نو کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔

7. پاکستان میں معاشرتی اصلاح مخلص قیادت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ مروّجہ ناقص جمہوری نظام کی بدولت صالح قیادت کا قانون ساز اداروں میں پہنچنا تقریباً نا ممکن ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کی بجائے جمہوری رویہ اپنانے کی ضرورت ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1 دہلوی، مولوی سیداحمد،فرہنگِ آصفیہ، مرکزی اُردو بورڈلاہور، 1977ء، 127/1

Dehlvī, Molvī Syed Ahmad, Farhang e Āṣifia, Markzi Urdu Board Lahore, 1977, 1/ 127.

2 ابن منظور،جمال الدین،لسان العرب،دارصادر،بیروت،2006م، 33/2

Ibn e Manzoor, Jamāl al Din, Līsān al Aʿrab, Dar Sadir, Beruit, 2006, 2/33.

3 یوسف قرضاوی،ڈاکٹر،فطری تربیت کے اہم تقاضے،اسلامک پبلشرز لمیٹڈ، لاہور، ص297

Yousuf Qardāwī, Dr, Fitri Tarbiyat kay Ahm Taqazay, Islamic Publishers, Lahore, P 297.

4 ابن بادیس، عبد الحمید،آثَارُ ابْنُ بَادِیسَ،دار ومکتبۃالشرکۃالجزائریۃ، طبع اول1388ھ، 101/1

Ibn Badīs, Abdul Hameed, Athār ibn Badīs, Maktaba al Shirkat al Jazairia, 1388, 1/ 101.

5 محمدامین،ڈاکٹر،عنوان مقالہ:"نبی اکرمﷺ کامنہاج تربیت"،مشمولہ در ماہنامہ مجلہ السیر،شمارہ 2، رمضان،1421ھ،ص،254

Muhammad Amin, Dr, Nabi Akram ka Minhāj Tarbiat, Journal Al Siar, Vol 2, Ramdhan,1421, P 254.

6 القرآن، 2: 151

Al Qurān 2: 151

7 محمد سلیمان سلمان ، قاضی ،منصور پوری ،رحمۃ للعالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد،57/1

Muhammad Suleman Salman, Qazi, Mansoorpuri, Raḥmat al lil Āʿlmīn, Markaz al Ḥarmain al Islami, Faisalabad,1/57.

8 البخاری،محمدبن اسماعیل ،الجامع الصحیح،دارالحضارۃ للنشروالتوزیع،ریاض،2015ء،کتاب التوحید،باب ما جاء فی دعاء النبی ﷺ امتہ الی توحید اللہ تبارک وتعالی، (7371)

Al Bukhārī, Muhammad Bin Ismael, Al Jamiʿ Al Ṣaḥīḥ, Dār Al Ḥazārah al Nashr wa Todih, Riyadh, 2015, Kitāb al Toheed, Bāb Ma Jaa fi Dua al Nabi, No:7371.

9 ابو عبد اللہ، احمد بن حنبل، مسند احمد، مؤسسۃ قرطبۃ،قاہرۃ، س ن ،(23539)، 410/5

Abu Abdullah, Ahmad bin Ḥanbal, Musnad Aḥmad, Mouassassah Qurtubah, Qairo, No 23539, 5/410

10 البيهقي، أبو بكر أحمد بن الحسين ، شعب الإيمان، مكتبة الرشد، الرياض، طبع اول، 1423ھ، 54/10

Al Bayhqi, Abubakar Aḥmad, Shuaʿb ul īmān, Maktaba Al Rushd, Riyadh, 1423H, 10/54.

11 خورشید احمد، پروفیسر، نظام تعلیم: نظریہ، روایت، مسائل،انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد،س-ن، ص: 47

Khurshid Ahmad, Professor, Nizam Taleem: Nazriya,Riwayat, Masael, Institute of Policy Studies, Islamabad, P :47.

12 خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظریہ حیات،شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی،1968ء، ص: 27

Khurshid Ahmad, Professor, Islami Nazria Hayat, Department of Translation University of Karachi,1968, P: 27.

13 خورشید احمد، پروفیسر، اسلام کا نظریہ تعلیم،اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ، لاہور،1980ء،، ص: 429
Khurshid Ahmad, Professor, Islam ka Nazria Taleem, Islamic Publications Limited, Lahore, 1980,P:429.

14 محمد مصلح الدین، اسلامی تعلیم اور اس کی سرگزشت،اسلامک پبلی کیشنز ، لاہور ،1988ء، ص: 16
Muhammad Musliḥ al Din, Islami Taleem aor is ki Sarguzashist, Islamic Publications, Lahore, 1988,P: 16.

15 البخاری، الجامع الصحیح، بَابُ عَلاَمَة حُبِّ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ ، (2442)
Al Bukhārī, Al Jami' Al Ṣaḥīḥ, Bāb Alāmat Hub Allah , No 2442

16 الہیثمی ، ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر ،مجمع الزوائد، مكتبة القدسي، القاهرة،(13546)،165/8.
Al Haythmī, Abul Hassan Noor al Dīn Ali bin Abī Bakar, Majma' Al Zawāid, Maktaba Al Qudsi, Qairo, No 13546, 8/165.

17 التمیمی ، احمد بن علی المثنی ،مسند ابی یعلی، دار المأمون للتراث ،دمشق،س ن ،(2699)،92/5.
Al Tamimī, Ahmad bin Ali , Musnad Abī Ya'ala, Dār Al Mamoon, Damascus, No 2699, 5/92.

18 البخاری ، الجامع الصحیح، بَابُ عَلاَمَة حُبِّ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ ،(616)
Al Bukhārī, Al Jami' Al Ṣaḥīḥ, Bab A'lāmat Ḥub Allah, No 616.

19 ابوداؤد،سلیمان بن اشعث الجستستانی،سنن ابی داؤد،دارالحضارة للنشروالتوزیع،ریاض،2015ء، بَابُ مَنْ يُؤْمَرُ أَنْ يُجَالِسَ،(4833)
Abu Dāūd, Suleman bin Asha'th, Sunan Abi Dāūd, Dār al Ḥazārah lil Nashr wa Todih, Riyadh, 2015, Bāb man Youmar ain Yujlas, No 4833.

20 البخاری، الجامع الصحیح، بَابٌ فِي العَطَّارِوَبَيْعِ المِسْكِ،(2101)
Al Bukhārī, Al Jami' Al Ṣaḥiḥ, Bāb fil Al A'ttār wa Bai al Misk, No 2101.

21 ڈاکٹر محمد امین (مدیر)، میڈیا اور جدید تعلیم،ماہنامہ البرہان، لاہور،دسمبر 2016، ص:27
Dr Muhammad Amin, Media and Modern Education, Monthly Al Burhān, Lahore, Dec 2016, P: 27

22 سہیل انجم،میڈیا،اردو اور جدید رجحانات ،ایجوکیشنل پبلی کیشنز ہاؤس،دہلی،2010،ص 63
Sohail Anjum, Media, Urdu aor Jadid Rujhaanat, Educational Publications House Delhi, 2010, P: 63.

23 فہمی النجار،اسلام اور ذرائع ابلاغ،ادارہ معارفِ اسلامی لاہور،ترجمہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن صدیقی،ص 39
Fahmī Al Najār, Islam or Zaraiye Iblagh, Idarah Māarif Islami Lahore, Translator: Dr Sajid ur Rehman Siddiqui, P:39.

24 البخاری، الجامع الصحیح، بَابُ بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى اليَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الوَدَاعِ،(4347)
Al Bukhārī, Al Jami' Al Ṣaḥiḥ, Bāb Ba'th Abī Mosa wa Muaz ilal Yamen, No 4347.

25 طبراني،ابوالقاسم، سلیمان بن احمد،المعجم الصغیر ، المكتب الاسلامي ،دارعمار،بیروت،طبع اول، 1405ھ،(1176)
Ṭibrānī, Abul Qāsim, Sulemān bin Aḥmad, Al Mu'jam Al Ṣaghir, Al Maktab Al Islami, Beriut, 1405H, No 1176.

26 شاذلی،ھندی، علاء الدین،علی بن حسام الدین،كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، فصل فی القضاء و الترغیب،مؤسسة الرسالة،طبع پنجم،1981م ،(14572)
Shazlī, Hindi, A'lāa ul Dīn Ali bin Ḥissām, Kanz ul U'mmāl, Fasl fi al Qazā wa Targheeb, Moussass Al Risālah, 1981, No 14572.

27 طبراني،ابوالقاسم، سلیمان بن احمد،المعجم الأوسط،(5525)
Ṭibrānī, Al Mu'jam Al Ausaṭ, No 5525.